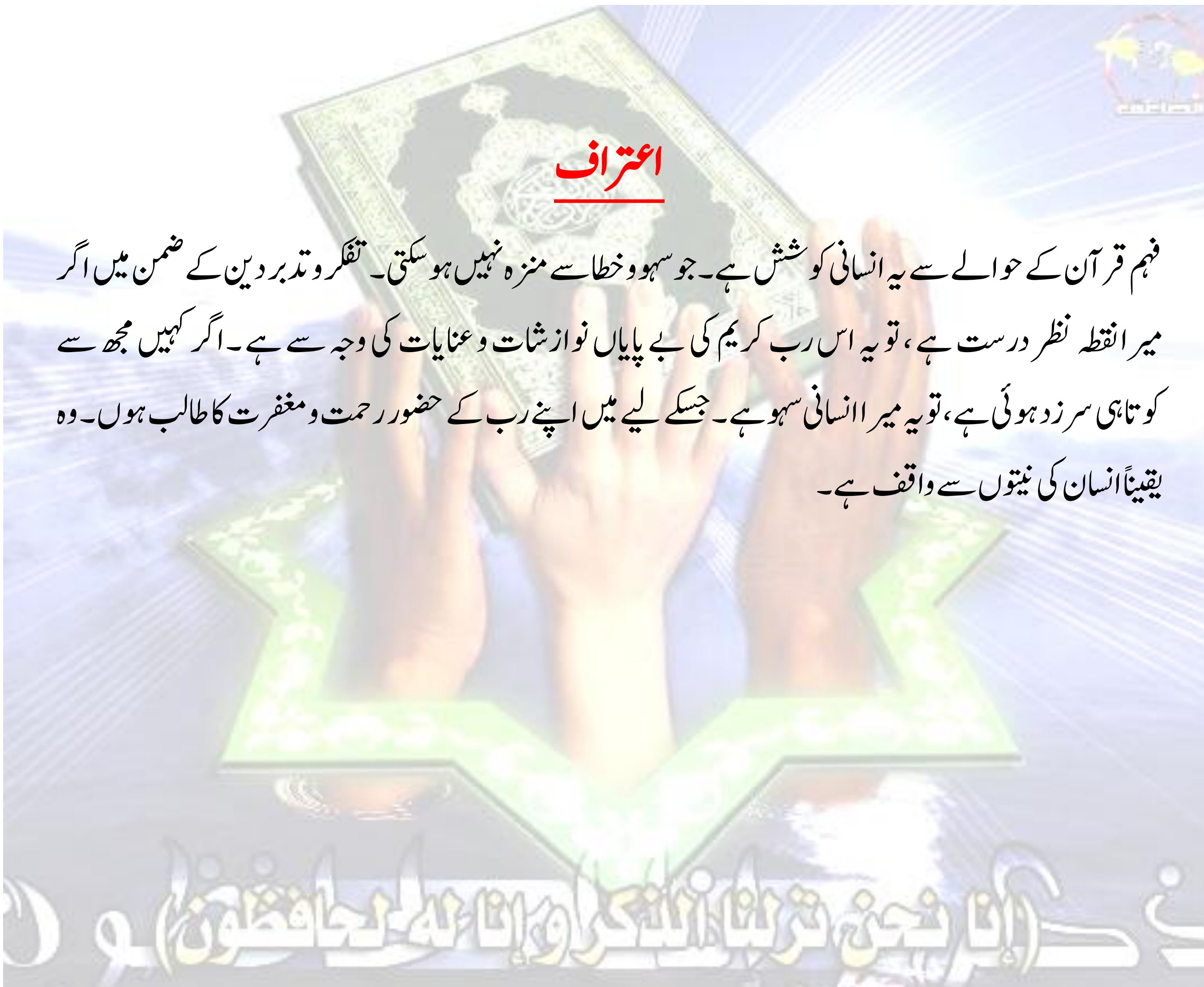


مقصد حیات

از محمد حنیف

قرآن کریم کی روشنی میں



اعتراف

فہم قرآن کے حوالے سے یہ انسانی کوشش ہے۔جو سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔ تفکر و تدبر دین کے ضمن میں اگر میرا نقطہ نظر درست ہے، تو یہ اس رب کریم کی بے پایاں نوازشات و عنایات کی وجہ سے ہے۔اگر کہیں مجھ سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے، تو یہ میرا انسانی سہو ہے۔ جسکے لیے میں اپنے رب کے حضور رحمت و مغفرت کا طالب ہوں۔وہ یقیناً انسان کی نیتوں سے واقف ہے۔

مقصد حیات

دوستو۔ اللہ رب العالمین، مالک و خالق، علیم و خبیر، نے اپنی مشیت کے مطابق، اس کائنات کو تخلیق کیا۔ پھر اس میں اپنی مرضی و منشاء کے رنگ بھرے۔ سرسبز و شاداب باغات، اونچے اونچے پہاڑ، ان سے گرتے ہوئے سحر انگیز جھرنے، شور مچاتے ہوئے دریا، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر، وسیع و عریض صحرا، آسمان سے برستے بادل، ان میں کڑکتی بجلیاں، خلاء کی وسعتوں میں میں گردش کرتے ہوئے عظیم الجثہ اجرام فلکی، گرمی و روشنی دینے والا سورج، ٹھنڈک پہنچانے والا چاند، اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر ان سب میں انواع اقسام کی مخلوقات۔

ہواوں میں اڑتے رنگ برنگے پرندے، دریا و سمندر میں تیرتے آبی جاندار، زیر زمین انواع اقسام کے کیڑے مکوڑے، زمین کے اوپر چلتے پھرتے جانور، جمادات، نباتات، حیوانات۔ اور پھر ان کا شہنشاہ، حضرت انسان۔

یہ عظیم الشان کارگہ حیات، آخر کیوں؟ کیا یہ کہ کسی دن اللہ کریم کے دل میں اچانک کوئی امنگ جاگ اٹھی، کوئی سوچ پیدا ہو گئی۔ اور اس نے کن کہا۔ اور یہ سب ہو گیا۔ ارشاد باری تعالٰی ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ (۳۰:۸)

کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں برحق اور ایک مقرّر مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

مزید فرمایا۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (٦٤:٣)

اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مقصد کے ساتھ پیدا فرمایا اور (اسی نے) تمہاری صورتیں بنائیں پھر تمہاری صورتوں کو خوب تر کیا، اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، (ترجمہ: طاہر القادری)

تخلیق کائنات، تخلیق انسان یہ سب کچھ "بالحق" تخلیق کیا گیا ہے۔ پیدا کرنے والے کے ذہن میں ایک متعین اسکیم کے تحت۔ ایک پروگرام کے تحت۔ کہا

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ (٢١:١٦)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر (بے کار) نہیں بنایا، (ترجمہ: طاہر القادری)

یعنی جو کچھ بھی تخلیق کیا گیا۔ مشیت کے عظیم الشان پروگرام کے تحت ہے۔ اس کی اسکیم کے مطابق ہے۔ لیکن قابل غور بات، جسے سمجھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کہ یہ کائنات ایک عرصہ معینہ کے لیے ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ ایک دن اس ساری کائنات نے ختم ہو جانا ہے۔ لیکن اس کائنات کی ایک شئے ایسی ہے، جس نے اس کائنات کے خاتمے کے بعد بھی، آگے چلنا ہے۔۔ مزید آگے بڑھنا ہے۔ یعنی اس حضرت انسان۔ فرمایا۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (٢٣:١١٥)

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔ (ترجمہ: محمد جوناگڑھی)

سوال یہ ہے کیوں؟ جب اس کائنات کا اختتام ہو جائے گا۔ ہر شئے کا خاتمہ ہو جائے گا، تو پھر کیوں انسان ہی ختم نہیں ہو گا؟ بلکہ وہ اپنے اعمال کے ساتھ اپنے رب کے سامنے پیش ہو گا۔

کیا ہو گا وہاں ؟

کہا وہاں تمہارے اعمال کے نتیجہ میں، جنت یا جہنم ملے گا۔ جہنم کی زندگی، کہا۔ ذلت ورسوائی کی زندگی ہو گی۔ ناکامی و نامرادی کی زندگی ہو گی۔ درد و اذیت کی زندگی ہو گی۔ لفظ جہنم کے معنی ہوتے ہیں، ٹھہرا دیا جانا۔ روک دیا جانا۔ اس جگہ انسان کی زندگی ایک دائرے کی زندگی ہو گی۔ جہاں آگے کوئی مقام نہیں ہو گا۔ لیکن دوسری جانب جنت کی زندگی، کامیابی و کامرانی کی زندگی۔ مسرت و شادمانی کی زندگی، عزت و تکریم کی زندگی۔ مزید آگے بڑھنے کی زندگی۔ بلندی کا سفر۔ عروج کا سفر۔

شعور کی موجودہ سطح پر ہم، اس جنت و جہنم کی کنہ و ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہم نہیں جانتے، وہ جنت اور جہنم کہاں ہو گا۔ کیسا ہو گا۔ کس مقصد کے لیے ہو گا؟ قرآن کریم نے جس جگہ بھی ان مقامات کا ذکر کیا ہے وہاں انھیں تمثیلاً بیان کیا ہے۔

اس ہی سوال کے جواب میں ہمارے درد کا درماں چھپا ہوا ہے۔ کہ آخر یہ سب کچھ کیوں۔ وہ رب کائنات کیا چاہتا ہے۔ اس کی مشیت نے کیا طے کیا ہوا ہے۔ اس کی اسکیم کیا ہے۔ آیئے تفکر و تدبر سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بات وہاں سے شروع کرتے ہیں، کہ اس مالک و خالق نے اس کائنات، اور اس کے درمیان جو کچھ بھی ہے ،اس کی تخلیق کے بعد، اپنے پروگرام کے آخری حصہ میں، انسان کو تخلیق کیا۔ بہت ہی شاندار اور حیرت انگیز تخلیق ۔ فرمایا۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (۹۵:۴)

بیشک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے،(ترجمہ: طاہر القادری)

تخلیق انسانی، اس مالک و خالق کا عمل احسن ہے۔ توازن بدوش، خوبصورت۔

پیدا فرما دیا، عزت سے نوازا۔ مقام بلند عطا فرمایا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (۱۷:۷۰)

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا،(ترجمہ: طاہر القادری)

عزت بخشی، چلنے پھرنے کے لیے سواریاں عطا کیں۔ زندگی کی بنیادی ضرویات کو پورا کرنے کے لیے پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔ اوراپنی تمام تخلیقات میں سے اکثریت پر، فضیلت عطا فرمائی۔ چنانچہ ہر انسان اپنی پیدائش کے لحاظ سے، واجب التکریم ہے۔ اس لیے واجب التکریم ہے کہ وہ انسان ہے۔ چاہے کسی رنگ کا ہو۔ کسی نسل یا قوم کا ہو۔ کسی زبان کا بولنے والا ہو۔ کالا ہو، گورا ہو۔ یکساں طور پر واجب التکریم۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۴۹:۱۳)

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

یہ سارے تفرقات، رنگ، نسل، قوم، قبائل۔ یہ سب اس لیے کئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ورنہ ہمارے یہاں وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے جو سب سے زیادہ، قانون خداوندی کا پابند ہے۔ تکریم انسانی کے معنی یہ نہیں کہ سب ایک برابر ہیں کہا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (۳۵:۱۹)وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ (۳۵:۲۰)وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ (۳۵:۲۱)وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (۳۵:۲۲)

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اور نہ تاریکیاں اور نہ نور (برابر ہو سکتے ہیں)، اور نہ سایہ اور نہ دھوپ، اور نہ زندہ لوگ اور نہ مُردے برابر ہو سکتے ہیں، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور آپ کے ذمّہ ان کو سنانا نہیں جو قبروں میں (مدفون) ہیں (یعنی آپ کافروں سے اپنی بات قبول کروانے کے ذمّہ دار نہیں ہیں)، (ترجمہ: طاہر القادری)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَن يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱۶:۷۶)

اور اللہ نے دو (ایسے) آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے جن میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے وہ (مالک) اسے جدھر بھی بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا، کیا وہ (گونگا) اور (دوسرا) وہ شخص جو (اس منصب کا حامل ہے کہ) لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر گامزن ہے (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں، (طاہر القادری)

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳۹:۹)

(کیا اِس شخص کی روش بہتر ہے یا اُس شخص کی) جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگاتا ہے؟ اِن سے پوچھو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ (۴۰:۵۸)

اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اندھا اور بینا یکساں ہو جائے اور ایماندار و صالح اور بدکار برابر ٹھیریں مگر تم لوگ کم ہی کچھ سمجھتے ہو (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں درجات میں تقسیم ہوتا چلا جائے گا۔ کوئی اپنے رب کے حکم کا فرمابردار بن کر اوپر، اور اوپر کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔ تو کوئی اپنی نافرمانیوں کے صلے میں ایک جگہ ٹھہرا دیا جائے گا۔ یہ عمل اس دنیا میں بھی ہو گا، اور اس کے بعد والی حیات آخر میں بھی۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک کلاس روم ہے، جس میں سو بچے زیر تعلیم ہیں۔ ان کے ماں باپ کی خواہش ہے کہ ان کے بچے ڈاکٹر بن جائیں۔ پرائمری سے ان بچوں کی تعلیم کی ابتداء ہوتی ہے۔ سب بچوں کو ایک ہی کلاس روم میں ایک ہی استاد تعلیم دیتا ہے۔ لیکن کیا ہوتا ہے سالانہ امتحان میں کوئی بچہ اول آجاتا ہے، کوئی دوئم، کوئی سوئم۔ اور کوئی فیل ہو جاتا ہے۔ اب کیا ہوتا ہے۔ وہ بچے جو کامیاب ہو جاتے ہیں، انہیں اگلی کلاس میں ترقی مل جاتی ہے۔ پہلی کلاس سے دوسری کلاس میں ترقی کر جاتے ہیں۔ اور وہ بچے جو فیل ہو گئے، انہیں اس سابقہ کلاس میں ہی ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ اس ہی کو عربی زبان میں "جہیم" کہتے ہیں۔ ایک جگہ ٹھہرا دیا جانا۔

اب وہ بچے جو کامیاب ہو کر، پہلی کلاس سے دوسری کلاس میں ترقی کر جاتے ہیں، ان کی تعداد سو بچوں سے کم ہو کر نوے رہ جاتی ہے اس طرح یہ سفر آگے چلتا ہے۔ ایک مقام پر جب اسکول کی سطح کی تعلیم ختم ہو جاتی ہے، تو سو بچوں کا وہ قافلہ جو پہلی کلاس سے چلا تھا اب پچاس رہ جاتا ہے۔ یہ وہ بچے ہیں جو اپنی محنت سے وہ مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں، جو کسی کالج میں داخلے کے لیے درکار ہوتا ہے۔

اب ان پچاس بچوں میں آگے نکل جانے کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور آخر الامر پچاس میں پچیس بچے ہی میڈیکل کالج میں داخلے کے اہل رہ جاتے ہیں۔ پھر اس مرحلے میں مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ان پچیس بچوں میں سے پندرہ یا بیس بچے ڈاکٹر بن کر باہر نکلیں۔ اس کے بعد ان کی عملی زندگی اور اس میں کامیابی کی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے، کوئی کسی شعبہ کا ماہر بن جاتا ہے، تو کوئی بس ایک عام ڈاکٹر بن کر ہی رہ جاتا ہے۔

بلکل یہ ہی عمل ہے۔ اس خالق کائنات نے اس کائنات کو تخلیق کیا۔ پھر انسان کو تخلیق کیا۔ پھر ان انسانوں کو راہنمائی فراہم کی، انہیں بتایا کہ اس دنیا کی زندگی کا واحد مقصد یہ ہے کہ تم اپنی ذات کی نشو و نما کرلو۔ کیونکہ اس کائنات کے خاتمے کے بعد ہماری اسکیم کے مطابق، جس دنیا میں تمہیں مزید ارتقائی منازل طے کرنی ہیں، اس دنیا میں داخلے کی اہلیت ایک نشو و نما یافتہ انسانی ذات ہے۔ انسانی ذات کی یہ نشو و نما، انسان کے اس طبعی جسم کے بغیر ناممکن تھی۔ چنانچہ انسان کو یہ جسم عطا کیا اور ایسے اعمال کرنے کی ہدایت عطا فرمائی جس کے نتیجہ میں انسانی ذات کی نشو و نما ہو سکے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے، اسے اس دنیا میں مختلف انداز میں گردشیں دی گئیں۔ ایسے مواقع بہم پہنچائے گئے، جس کے نتیجہ میں انسان اپنے رب کے حکم کے مطابق عمل کرکے، اپنی ذات کی نشو و نما کرسکے۔ یہ بلکل ویسا ہی عمل ہے، جیسا کہ ایک عام آدمی کو ایک اچھا فوجی، ایک اچھا سپاہی بنانے کے ضمن میں اختیار کیا جاتا ہے۔ کیا کرتے ہیں، کبھی لمبی لمبی دوڑیں لگواتے ہیں۔ کبھی دریا میں کود جانے کا کہتے ہیں۔ کبھی اونچائی سے چھلانگیں لگواتے ہیں۔ کبھی رکاوٹیں کھڑی کرکے، اس کو عبور کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کبھی رات میں، کبھی دن میں، کبھی گرمیوں میں، کبھی سردیوں میں، کبھی بارشوں میں، کبھی برف باری میں، مختلف طریقوں سے اس کی ٹریننگ کرتے ہیں۔ کس لیے؟ اس لیے تاکہ ایک ایسا سپاہی تیار ہو جائے، جو جنگ کی صورت میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا جانتا ہو۔

بس یہ ہی بات ہے۔ شعور کی موجودہ سطح پر ہم نہیں جانتے کہ انسان کی موت کے بعد، اس کائنات کے خاتمے کے بعد ،اس رب کریم کی اسکیم کیا ہے۔ وہ ہم سے اس دنیاوی حیات کے خاتمے کے بعد، اس دوسری دنیا کی زندگی میں کیا کروانا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی دنیا جسے ہم جان ہی نہیں سکتے۔ جو کبھی دیکھی ہی نہ ہو، اس کے متعلق کوئی بات سمجھائی بھی کیسے جاسکتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حیات بعد الممات کے حوالے سے جو کچھ بھی قرآن کریم میں بیان ہوا ہے، وہ تمثیلاً ہوا ہے۔ شعور کی موجودہ سطح پر ہم جنت اور جہنم کی کنہ و حقیقت سے آگاہ ہو ہی نہیں سکتے۔

یہ بلکل وہی مقام ہے، جب ہم اپنے ایک بچے کو پرائمری میں داخلہ دلواتے ہیں۔ ہمارے دل میں، ہمارے ذہن میں اس بچے کو ڈاکٹر بنوانے کے حوالے سے سارالائحہ عمل موجود ہوتا ہے۔ ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ پہلے پرائمری پاس کرنی ہے، پھر مڈل پاس کرنی ہے، پھر کالج، پھر میڈیکل کالج۔ لیکن اس چند سالہ بچے کو جسے ہم پرائمری میں داخل کروانے آئے ہیں، یہ سارے مراحل سمجھا ہی نہیں سکتے۔ اس ہی لیے ہم اپنے بچے سے پہلے پرائمری کے لیول کی باتیں کرتے ہیں، جب وہ بچہ پرائمری پاس کرلیتا ہے، تو اس مقام پر وہ پرائمری سے آگے کی تعلیم کے شعور کا مالک بن جاتا ہے۔

اللہ کریم نے انسانوں کو آخر الامر کیا بنانا ہے۔ کس مقام تک پہنچانا ہے۔ شعور کی موجودہ سطح پر ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس نے ہمیں صرف اس دنیا کے حوالے سے، جو کچھ کرنا ہے، اس کی راہنمائی فراہم کر دی ہے۔ یہ بتا دیا ہے کہ تمہاری آگے کی ترقی کا دارومدار، اس دنیا میں تمہاری کارکردگی سے مشروط ہے۔ اسے بتا دیا گیا کہ اس دوسری دنیا میں تمہارے اس جسم نے نہیں بلکہ تمہاری ذات نے سفر کرنا ہے۔ تمہارا یہ جسم اس دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ اس دنیا میں اس طبعی جسم کے مطابق قوانین ہیں، لیکن اس دوسری دنیا میں **"انسانی ذات"** کے مطابق قوانین ہوں گے۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے، اس دنیا میں انسانوں کو مسابقت کے عمل سے گزارہ جاتا ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ تم نے اس دنیا میں "عمل صالحہ" کرنے ہیں۔ تاکہ تمہاری ذات کی نشوونما ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَالْعَصْرِ (۱۰۳:۱)إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۱۰۳:۲)إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳:۳)

ساری انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہی رہتا ہے، ماسوا ان کے جو ایمان لائے، عمل صالحہ کیے، حق اور صبر کو اختیار کیا۔ مفہوم

عربی زبان میں "صلح" کے معنی کسی شئے کا ویسا ہو جانا ہے جیسا کہ اسے ہونا چاہیے۔ یہ لفظ "فساد" کی ضد ہے جس کے معنی کسی شئے کا ویسا نہ ہونا ہے جیسا اسے ہونا چاہیے۔ چنانچہ "عمل صالحہ" کے معنی ایسے اعمال ہیں، جن کے نتیجہ میں اس دنیا میں ہر شئے ویسی ہوتی چلی جائے، جیسا کہ اسے ہونا چاہیے۔

مثلاً اگر ہم کسی باشعور انسان سے پوچھیں کہ بتاو، ایک ایسا معاشرہ ہونا چاہیے جس میں کھانے کو روٹی نہ ملے، رہنے کو گھر نہ ملے، تعلیم نہ ملے، علاج نہ ملے، یا ایسا معاشرہ ہونا چاہیے، جہاں یہ سب کچھ دستیاب ہوں۔ تو وہ فوراً بول اٹھے گا کہ جی ایسا معاشرہ ہونا چاہیے جہاں سب کو کھانا ملے، گھر ملے، تعلیم ملے، علاج ملے۔ تو اب ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی تمام کوششیں "عمل صالحہ" کہلائیں گی۔

مثلاً اگر ہم کسی باشعور انسان سے یہ پوچھیں کہ بتاؤ، یہ سڑک جس پر گاڑیاں چل رہی ہیں، لوگ سفر کر رہے ہیں، ان پر جابجا گڑھے پڑے ہوں، پتھر بکھرے ہوں، رکاوٹیں کھڑی ہوں، یہ ٹھیک ہے، یا سڑک ایسی ہونی چاہیے جو بلکل ہموار ہو، آسانی سے گاڑی چلائی جا سکے ایسی ہو۔ تو وہ فوراً پکار اٹھے گا کہ سڑک پر نہ تو گڑھے ہونے چاہیں، نہ رکاوٹیں۔ چنانچہ سڑک کو گڑھوں سے پاک کرنا، اس پر موجود تمام غیر ضروری رکاوٹوں کو دور کرنا، اس پر پڑے پتھروں کا ہٹانا "عمل صالحہ" کہلاتا ہے۔۔ جس کا نتیجہ اس دنیا میں بھی کامیابی و کامرانی ہے، اور اس دوسری دنیا میں بھی کامیابی اور کامرانی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۲۴:۵۵)

اللہ نے تم میں سے صاحبان ایمان و عمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے اور ان کے لئے اس دین کو غالب بنائے گا جسے ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان

کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا کہ وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی طرح کا شرک نہ کریں گے اور اس کے بعد بھی کوئی کافر ہو جائے تو در حقیقت وہی لوگ فاسق اور بد کردار ہیں (ترجمہ: سید ذیشان حیدر جوادی)

مزید فرمایا۔

وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ (۲۰:۷۵)جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ (۲۰:۷۶)

اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کیے ہوں تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی جزا ہے جو گناہ سے پاک ہوا (ترجمہ: احمد علی)

مزید فرمایا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۶:۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشر طیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے

(ترجمہ: ابوالاعلیٰ مودودی)

چنانچہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں، اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بظاہر بہت سارے نقائص ہیں۔ گورے کے مقابلے میں کالا ہونا، طاقتور کے مقابلے میں کمزور ہونا، خوبصورت کے مقابلے میں، بد صورت ہونا، عقلمند کے مقابلے میں نالائق ہونا، کامیاب کے مقابلے میں ناکام ہونا، پیٹ بھرے کے مقابلے میں بھوکا ہونا، تعلیم یافتہ کے مقابلے میں جاہل ہونا، امیر کے مقابلے میں غریب ہونا، صحت مند کے مقابلے میں بیمار وغیرہ وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ خدا جو ہر شئے پر قادر ہے۔ جو مالک ہے۔ جو حاکم ہے۔ جسکی طاقت اور اختیار کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ کیا یہ تفاوت اس کے ادراک و اختیار سے دور کی بات ہے ؟ کیا یہ سب کچھ اس کی اپنی تخلیق نہیں ہے ؟ کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ سب گورے ہی ہوتے، سب حسین ہوتے، سب عقلمند ہوتے۔ وہ یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ خود نہیں کیا، بلکہ انسان کو اس کی صلاحیت عطا فرمادی کہ یہ تم کرو۔ اس سے تمہاری ذات کی وہ نشوو نما ہو گی ، جس کے نتیجہ میں تم اس دوسری دنیا میں داخلے کے اہل ہو جاؤ گے۔

اس نے انسان کو " عمل صالحہ "کا حکم دیا۔ کہا تم ایسی کوششیں کرو جس کے نتیجہ میں ہر شئے ویسی ہو جائے، جیسا کہ اسے ہونا چاہیے مثلاً اگر ہم کسی باشعور انسان نے یہ پوچھیں کہ بتاؤ، انسان کو تعلیم یافتہ ہونا چاہیے کہ جاہل ؟ انسان کو تندرست ہونا چاہیے کہ بیمار ؟ انسان کو عقلمند ہونا چاہیے کہ نالائق ؟ تو اس کا بے ساختہ یہ ہی جواب ہو گا، کہ انسان کو تعلیم یافتہ ہونا چاہیے، تندرست ہونا چاہیے، عقلمند ہونا چاہیے۔ اس ہی طرح جب اس سے پوچھا جائے کہ بتاؤ سب کو دولت مند ہونا چاہیے یا غریب ؟ تو اس کا بھی یہ ہی جواب ہو گا کہ سب کے لیے فراوانی رزق ہونی چاہیے۔

چنانچہ کالے کو گورا کرنا، جاہل کو علم عطا کرنا، بیماری کا علاج دریافت کرنا، بدصورت کو حسین بنانا، غریب کو امیر بنانا یہ سب " عمل صالحہ " ہیں۔ لیکن کوئی ایسا عمل جس کے نتیجہ میں، سارے کالے ہو جائیں، سارے جاہل ہو جائیں، سارے بد صورت ہو جائیں، سارے نالائق ہو جائیں، سارے غریب ہو جائیں، یہ " عمل صالحہ " کی ضد ہے یعنی "فساد" کہلائے گا۔ اللہ کریم نے ہمیں عمل صالحہ کا حکم دیا ہے۔ اس نے ہمیں فساد سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (٢٦:١٥٠)وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ (٢٦:١٥١)الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (٢٦:١٥٢)

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا کہنا نہ مانو، جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور (معاشرہ کی) اصلاح نہیں کرتے، (ترجمہ: طاہر القادری)

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۲۶:۱۸۳)

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم (تول کے ساتھ) مت دیا کرو اور ملک میں (ایسی اخلاقی، مالی اور سماجی خیانتوں کے ذریعے) فساد انگیزی مت کرتے پھرو، (ترجمہ: طاہر القادری)

وہ اپنے فرمابردار بندوں کو حکم دیتا ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (۷:۵٦)

زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

وہ اپنے پیروکاروں کی فساد سے بچنے کے خوشگوار نتائج سے آگاہ فرماتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۲۸:۸۳)

وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے (ترجمہ: ابوالاعلی مودودی)

چنانچہ، اس زمین میں کوئی بھی شئے نہ تو اس مالک حقیقی سے پوشیدہ ہے، نہ اس کی اسکیم سے بالا ہے۔ جو کچھ بھی ہے اس کی حکمت بالغہ سے ہے۔ قانون وضابطوں کے مطابق ہے۔ بظاہر نظر آنے والے یہ سارے تضادات اور تفاوت اس کی حکمت عملی کا حصہ ہیں۔ ان تفاوات کو دور کرنے کا عمل "عمل صالحہ" ہے جس کے نتیجہ میں انسانی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ وہ دوسری دنیا میں آگے بڑھنے کی اہلیت حاصل کر لیتا ہے۔

چنانچہ ہمارا کام، گوروں کو کالا کرنا نہیں، بلکہ کالوں کو گورا کرنا ہے۔ ہمارا کام امیر کو غریب کرنا نہیں بلکہ غریب کو امیر بنانا ہے، ہمارا کام تندرست کو بیمار کرنا نہیں، بلکہ بیمار کو تندرست کرنا ہے، ہمارا کام حسین کو بدصورت بنانا نہیں، بلکہ

بد صورت کو حسین بنانا ہے۔ اس ہی طرح ہمارا کام صاحب ثروت لوگوں سے ان کا مال متاع چھین کر انہیں غریب اور بے بس بنانا نہیں، بلکہ کمزور و نادار و غریب کو صاحب حیثیت بنانا ہے۔

ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں انسان کی کم از کم بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ایسا نظام قائم کرنا ہے جہاں وسائل رزق اتنی فراوانی سے دستیاب ہوں کہ جو عزت کی روٹی اپنے زور بازو سے کمانا چاہے، اسے مل جائے۔ جہاں لوگ اپنی خون پسینے کی کمائی سے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا رزق، زمین کا سینہ چیر کر حاصل کریں، نہ کہ کسی نام نہاد بیت المال کے سامنے لائن لگا کر۔ اس طرح رب کریم کے اس وعدے کی تکمیل ہو جائے، کہ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں، اور تمہارے بچوں کے رزق کے بھی۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، میری جبین نیاز میں

سلامت رہیں

